ختمِ نبوت ہر کلمہ گو کی میراث

مفتی محمد عبد اللہ نقشبندی

بنوں

دو چیزوں کے حوالے سے ہر دور میں مسلمان جذباتی واقع ہوا ہے، ایک اللہ کی وحدانیت اور دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت۔ عالم کفر کی ہمیشہ خواہش رہی ہے، بلکہ ان کی دن رات محنتوں کا لبِ لباب یہی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کا اللہ پر یقین کمزور پڑ جائے اور عقیدۂ ختمِ نبوت پر زد آ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات اور عقیدۂ ختمِ نبوت مسلمانوں کا وہ بنیادی سرمایۂ حیات ہے جس کے بغیر مسلمان، مسلمان نہیں رہتا۔

حکومتِ برطانیہ کی مکاری

۱۸۵۷ء میں حکومتِ برطانیہ کی مکاری اور عیاری سے ایسٹ انڈیا کے نام سے بنی ہوئی کمپنی کی مدد سے مسلمانوں کی حکومت کو دیمک کی طرح کھایا گیا، پہلے کمزور کیا اور پھر حملہ کر کے سلطنتِ مغلیہ کا خاتمہ کر دیا۔ ۱۸۵۸ء میں ہندوستان ملکۂ برطانیہ کی حکومت کے زیرِ تحت ہو گیا۔ ۱۸۶۸ء میں دار العلوم دیوبند کا قیام عمل میں لایا گیا، جہاں سے حکومتِ برطانیہ کے خلاف تحریکیں اُٹھیں۔ انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ بھی دار العلوم دیوبند سے جاری ہوا اور مجاہدین کے دستے بھی یہیں سے روانہ ہوئے۔ یوں روزِ اول سے انگریز حکومت کے خلاف دار العلوم دیوبند اور اکابرینِ دیوبند میدانِ کارزار میں کود پڑے اور انگریزوں کی نیندیں حرام کر دیں۔ حکومتِ وقت نے بھی ظلم ڈھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، مگر سرفروشوں کے جذبوں کو مات نہ دے سکی۔

جھوٹی نبوت

متحدہ ہندوستان میں انگریز اپنے جور وستم اور استبدادی حربوں سے جب مسلمانوں کے قلوب کو

مغلوب نا کرسکا تو اس نے ایک کمیشن قائم کیا جس نے پورے ہندوستان کا سروے کیا اور واپس جا کر برطانوی پارلیمنٹ میں رپورٹ پیش کی کہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد مٹانے کے لیے ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے نبوت کا دعویٰ کرایا جائے جو جہاد کو حرام اور انگریز کی اطاعت کو مسلمانوں پر اولوالامر کی حیثیت سے فرض قرار دے۔

مرزا غلام احمد قادیانی

ان دنوں مرزا غلام احمد قادیانی سیالکوٹ ڈی سی آفس میں معمولی درجہ کا کلرک تھا۔ اردو، عربی، فارسی اپنے گھر ہی میں پڑھی تھی، مختاری کا امتحان دیا مگر ناکام ہوگیا، غرضیکہ اس کی تعلیم دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے ناقص تھی، چنانچہ اس مقصد کے لیے انگریزی ڈپٹی کمشنر کے توسط سے مسیحی مشن کے ایک اہم اور ذمہ دار شخص نے اس سے ڈی سی آفس میں ملاقات کی، گویا یہ انٹرویو تھا مسیحی مشن کا اور ساتھ ہی یہ شخص انگلینڈ روانہ ہوگیا اور مرزا قادیانی ملازمت چھوڑ کر قادیان پہنچ گیا۔ باپ نے کہا کہ نوکری کی فکر کرو، تو اس نے کہا کہ میں نوکر ہوگیا ہوں، پھر بغیر مرسل کے پتہ کے منی آڈر ملنا شروع ہوگئے۔ مرزا قادیانی نے مذہبی اختلافات کو ہوا دی، بحث ومباحثہ اور اشتہار بازی شروع کردی۔ یہ تمام تر تفصیل مرزائی کتب میں موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کام کے لیے برطانوی سامراج نے مرزا قادیانی کا انتخاب کیوں کیا؟ اس کا جواب مرزائی لٹریچر میں موجود ہے۔ مرزا قادیانی کا خاندان جدی پشتی انگریز کا نمک خوار، خوشامدی اور مسلمانوں کا غدار تھا۔ اور مرزا قادیانی کے والد نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں برطانوی سامراج کو پچاس گھوڑے مع ساز وسامان کے مہیا کیے اور یوں مسلمانوں کے قتلِ عام سے اپنے ہاتھ رنگین کرکے انگریز سے انعام میں جائیداد حاصل کی۔ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے: میرے والد کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدماتِ سرکار میں مصروف رہا۔ ستارۂ قیصریہ صفحہ نمبر: ۴ پر اپنے بارے میں لکھتا ہے کہ:

> ’’میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنتِ انگریزی کی تائید وحمایت میں گزرا اور میں نے ممانعتِ جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں اس سے بھر سکتی ہیں۔‘‘

غرضیکہ مرزا قادیانی کی گوشت پوست میں انگریز کی وفاداری اور مسلمانوں کی غداری رچی بسی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقصد کے لیے انگریز کی نظرِ انتخاب مرزا قادیانی پر پڑی اور اس کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جن حضرات کی مرزائی لٹریچر پر نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ مرزا قادیانی کی ہر بات میں

تضاد ہے، لیکن حرمتِ جہاد اور فرضِ اطاعتِ انگریز ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں مرزا قادیانی کی کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں، کیونکہ یہ اس کا بنیادی مقصد اور غرض و غایت تھی، یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو گورنمنٹ برطانیہ کا خود کاشتہ پودا قرار دیا۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

دارالعلوم دیوبند کے سرخیل حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنے نورِ ایمانی اور بصیرتِ وجدانی سے مرزا قادیانی کے دعوائے نبوت سے پہلے پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے حجازِ مقدس میں ارشاد فرمایا کہ: پنجاب میں ایک نیا فتنہ اُٹھنے والا ہے، اللہ اس کے خلاف آپ سے کام لیں گے، بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا اور اس فتنہ کے خلاف کام کرنے کی تلقین بھی فرمائی۔

خوش قسمت لوگ

۱۸۸۱ء میں جب مرزا لعین نے نبوت کا دعویٰ کیا تو علماء دیوبند میدان میں آگئے، اس کے خلاف تحریکیں چلائیں، جانوں کے نذرانے پیش کیے، یہاں تک کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں غیر مسلم قرار پائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تحریک ختمِ نبوت کی کامیابی میں بنیادی کردار علماء کرام کا رہا، مگر یہ مسئلہ صرف علماء کا نہیں، بلکہ ہر کلمہ گو مسلمان نے اسے اپنا ذاتی اور ایمانی مسئلہ سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طبقہ کے لوگوں نے اس تحریک کی کامیابی کے لیے اپنی جان، اپنی مال اور اپنی اولاد پیش کی۔ ہر طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنون کی حد تک محبت کا اظہار کیا، گولیوں کے سامنے اپنے سینے پیش کیے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر آنچ نہیں آنے دی، بلکہ سب نے مل کر وہ تاریخ رقم کی ہے، جس کا محض تذکرہ ایمان کی تازگی اور روح کی بالیدگی کا باعث بنتا ہے۔ تحریکِ ختمِ نبوت میں صنفِ نازک بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں، یہاں دو واقعات درج کرتا ہوں۔

ماں کی قربانی

۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں ایک عورت اپنے بیٹے کی بارات لے کر دہلی دروازے کی طرف آرہی تھی، سامنے تڑتڑ کی آواز آئی، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے لیے لوگ سینہ تانے بٹن کھول کر گولیاں کھا رہے ہیں تو بارات کو معذرت کرکے رخصت کر دیا، بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیٹا! آج کے دن کے لیے میں نے تمہیں جنا تھا، جاؤ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس پر قربان ہوکر دودھ بخشوا جاؤ۔ میں تمہاری شادی اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں کروں گی اور تمہاری بارات میں آقائے

نامدار ﷺ کو مدعو کروں گی، جاؤ پروانہ وار شہید ہوجاؤ، تاکہ میں بھی فخر کروں کہ میں بھی شہید کی ماں ہوں۔ بیٹا ایسا سعادت مند تھا کہ ماں کے حکم پر آقائے نامدار ﷺ کی عزت کے لیے شہید ہوگیا، جب لاش لائی گئی تو گولی کا نشان پشت پر نہیں تھا، بلکہ تمام گولیاں سینے پر کھائیں۔

عورت کا عشقِ رسول

تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء کے دوران جب مولانا تاج محمود جامع مسجد کچہری بازار فیصل آباد میں شمعِ رسالت کے پروانوں کے لیے ایک جم غفیر سے قادیانی گروہ اور اس کے کفریہ عقائد وعزائم کے تحفظ اور سرپرستی کے لیے حکومت کی طرف سے کیے گئے اقدامات کے خلاف لوگوں کو سول نافرمانی کی ترغیب دے رہے تھے، مولانا تاج محمود کے دل سے نکلنے والی یہ آواز مسجد کی سیڑھیوں کے پاس کھڑی ایک عورت بھی ہمہ تن گوش ہوکر سن رہی تھی، دفعتاً شدتِ جذبات سے مغلوب ہوکر ساری مسجد میں پھیلے مجمع کو چیرتی ہوئی آگے بڑھی اور اپنی گود کے بچے کو منبر کے قریب جاکر مولانا کی طرف اُچھال دیا اور کہا: مولانا! میرے پاس ایک یہی سرمایہ ہے، اسے سب سے پہلے آقا ﷺ کی عزت وآبرو پر قربان کردو، یہ کہہ کر عورت اُلٹے پاؤ باہر کی طرف چل پڑی۔ اس منظر کو دیکھ کر سارا مجمع دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ خود مولانا کی آواز گلوگیر اور رندھی ہوئی تھی، انہوں نے لوگوں سے کہا کہ اس عورت کو جانے نا دینا، اسے بلاؤ، چنانچہ اس عورت کو بلایا گیا تو مولانا نے کہا کہ: بی بی! سب سے پہلے گولی تاج محمود کے سینے سے گزرے گی، پھر میرے اس بچے (اپنے قدموں میں بیٹھے چھوٹے سے اپنے اکلوتے بیٹے طارق محمود کی طرف اشارہ کیا) کے سینے سے، پھر اس مجمع کے تمام افراد گولیاں کھائیں گے اور جب سب قربان ہوجائیں، تب اپنے اس بچے کو لے آنا اور اللہ کے پیارے نبی ﷺ کی عزت پر قربان کردینا۔ یہ کہا اور وہ بچہ اس عورت کے حوالے کردیا۔

موچی کا عشقِ رسول

۱۹۵۳ء کی ختمِ نبوت کی تحریک میں میانوالی سے قافلے لاہور جاتے تھے، ایک قافلے میں میاں فضل احمد موچی بھی جاکر گرفتار ہوگیا، ان کی گرفتاری مارشل لاء کے تحت عمل میں آئی، مارشل لاء عدالت نے ان کو دیکھ کر باقی ساتھیوں کی نسبت کم سزا دی، اس پر وہ بگڑ گئے اور عدالت میں احتجاج کیا کہ میرے ساتھ انصاف کیا جائے، اس سے عدالت نے سمجھا یہ سزا کم کرانا چاہتا ہے۔ عدالت نے پوچھا تو کہا: ''مجھ سے کم عمر لوگوں کو دس دس سال کی سزا دی، میرے ساتھ انصاف کیا جائے اور میری سزا میں اضافہ کیا جائے۔'' اس بوڑھے جرنیل کی ایمانی غیرت پر جج انگشت بدنداں اُٹھ کر عدالت سے ملحق دوسرے کمرے میں چلا گیا، میاں فضل احمد موچی نے عدالت میں کپڑا بچھا کر گرفتاری، سزا اور آقائے نامدار ﷺ کی عزت

وناموس کے تحفظ کے لیے اپنی قربانی کی بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کے لیے نوافل پڑھنے شروع کردیئے۔

اسی سال کا بوڑھا

تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء میں دہلی دروازے لاہور کے باہر صبح سے عصر تک جلوس نکلتے رہے، لوگ دیوانہ وار آقائے نامدار ﷺ کی عزت وناموس کی حفاظت پر جان قربان کرتے رہے۔ عصر کے بعد جب جلوس نکلنے بند ہوگئے تو اسی سال کا بوڑھا اپنے معصوم سات سالہ پوتے کو کندھے پر اُٹھا کر لایا، دادا نے ختمِ نبوت کا نعرہ لگایا، معصوم بچے نے جو دادا سے سبق پڑھا تھا، اسی کے مطابق زندہ باد کہا، دو گولیاں آئیں، اسی سال کے بوڑھے اور سات سالہ بچے کے سینہ سے شائیں کرکے گزر گئیں، دونوں شہید ہوگئے، مگر تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کرگئے کہ اگر آقائے نامدار ﷺ کی عزت وناموس پر مشکل وقت آئے تو مسلمانوں کے اسی سالہ بوڑھے خمیدہ کمر سے لے کر سات سالہ بچے تک سب اپنی جان دے کر اپنے آقا ﷺ کی عزت وناموس کی حفاظت کرتے ہیں۔

شاعر اور تحریکِ ختمِ نبوت

مولانا امین گیلانی ملک عزیز کے مشہور شاعر تھے، بڑھاپے میں قدم رکھنے کے باوجود آواز جوان اور جذبات گرم تھے، اپنی ایک کتاب ’’عجیب وغریب واقعات‘‘ میں اپنی زندگی کا ایک واقعہ رقم کرتے ہیں، پڑھیے اور اپنے بزرگوں کی جرأت وبہادری کا اندازہ لگائیے:

جنرل اعظم کے حکم سے لاہور میں کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے، تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء اپنے جوبن پر تھی، پولیس مجھے اور میرے بہت سے ساتھیوں کو ہتھکڑیاں پہنا کر قیدیوں کی بس میں بٹھا کر شیخوپورہ سے لاہور کی طرف روانہ ہوگئی۔ اسیرانِ ختمِ نبوت بس میں نعرے لگاتے ہوئے جب لاہور کی حدود میں داخل ہوئے، ملٹری نے روک لیا اور سب انسپکٹر کو نیچے اُترنے کا حکم دیا، ایک ملٹری آفیسر نے ان سے چابی لے کر بس کا دروازہ کھول دیا اور بڑے رعب وجلال سے گرج کر بولا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ نعرے لگانے والوں کو گولی مارنے کا حکم ہے؟ کون نعرے لگاتا ہے؟ اس صورت حال سے سب پر ایک سکوت طاری ہوگیا، معاً میرا ہاشمی خون کھول اُٹھا، میں نے تن کر کہا: ’’میں لگاتا تھا‘‘ اس نے بندوق میرے سینہ پر تان کر کہا: ’’اچھا! اب لگاؤ نعرہ‘‘ میں نے پرجوش نعرہ لگایا، میرا کالی کملی والا! سب نے باآوازِ بلند جواب دیا: زندہ باد۔ اس کی بندوق کی نالی نیچے ڈھلک گئی اور منہ پھیر کر کہا کہ ہاں! وہ تو زندہ باد ہی ہے اور بس سے اُتر گیا۔ ایسا معلوم ہوا جنت جھلک دکھلا کر اوجھل ہوگئی، پھر اس نے سب انسپکٹر سے کچھ کہا، اس نے بس کا دروازہ مقفل کردیا، چند منٹوں بعد ہم بورسٹل جیل لاہور میں تھے۔

صحافت کا بادشاہ اور ختمِ نبوت

جب ۱۹۷۴ء کی ختمِ نبوت کی تحریک چلی، اس وقت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ملک کے وزیر اعظم تھے، دورانِ تحریک آغا شورش کشمیری اپنے پیارے دوست مولانا تاج محمود کے ساتھ وزیر اعظم ذوالفقار بھٹو سے ملے، اس ملاقات کی روداد چٹان ۲۹ / اکتوبر ۱۹۷۹ء میں موجود ہے، جو مسٹر بھٹو کی بیان کردہ ہے۔اس روداد کی تلخیص یوں ہے:

مسٹر بھٹو کہتے ہیں: ''شورش اپنے دوست مولانا تاج محمود کے ساتھ میرے پاس آئے، شورش نے چار گھنٹے تک مسئلہ ختمِ نبوت اور قادیانیوں کے پاکستان کے بارے میں عقائد وعزائم کے متعلق گفتگو کی۔ دورانِ گفتگو شورش نے عجیب گفتگو کی، شورش نے باتوں کے دوران انتہائی جذباتی ہوکر میرے پاؤں پکڑ لیے۔شورش جیسے بہادر اور شجاع آدمی کی ایسی حالت دیکھ کر میں لرز اُٹھا، شورش کی عظمت کو دیکھ کر میں نے اُسے اٹھا کر سینہ سے لگالیا، مگر وہ ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا: بھٹو صاحب! ہم جیسی ذلیل قوم کسی ملک نے پیدا نہیں کی ہوگی، ہم اپنے نبی کے تخت وتاجِ ختمِ نبوت کی حفاظت نا کرسکے۔ پھر شورش نے روتے ہوئے میرے سامنے جھولی پھیلا کر کہا: بھٹو صاحب! میں آپ سے اپنے اور آپ کے ختم المرسلین کی بھیک مانگتا ہوں۔ آپ میری زندگی کی تمام خدمات اور نیکیاں لے لیں، میں خدا کے حضور خالی ہاتھ چلا جاؤں گا، خدا کے لیے خدا کے محبوب رسول ﷺ کی ختمِ نبوت کی حفاظت کردیجیے، اسے میری جھولی نا سمجھیے، بلکہ اسے فاطمہ بنت محمد ﷺ کی جھولی سمجھ لیجیے، اس سے زیادہ مجھ میں کچھ سننے کی تاب نہ تھی، میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آ گئی۔ میں نے شورش سے وعدہ کرلیا کہ میں قادیانی مسئلہ ضرور بالضرور حل کروں گا۔

ذوالفقار علی بھٹوؒ

تحریکِ ختمِ نبوت کی کامیابی میں وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹوؒ کا کردار بھی آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے پر دستخط کرتے ہوئے بھٹوؒ نے یہ تاریخی الفاظ کہے تھے کہ: موت کے پروانے پر دستخط کررہا ہوں، تاہم نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت کے تحفظ کے لیے جان کی قربانی بڑی سعادت ہوگی۔ کرنل رفیع الدین نے اپنی کتاب '' بھٹو کے آخری ۳۱۳ دن'' میں لکھا ہے کہ: بھٹو مرحوم نے کہا کہ ختمِ نبوت کا مسئلہ حل کرانا میری نجات کے لیے کافی ہے اور پھانسی کے ایک روز قبل بھٹوؒ نے کہا کہ: ''کرنل رفیع! قادیانی آج تو بہت خوش ہوں گے کہ انہیں غیر مسلم اقلیت (کافر) قرار دلوانے والا حکمران پھانسی لگ گیا۔''

اللہ رب العزت ہم سب کو مرتے دم تک ختمِ نبوت کی پہرہ داری اور چوکیداری کے لیے قبول فرمائیں۔